جناب مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب

عالم اسلام میں احساس کمتری

مسلمانوں کو گذشتہ کئی صدیوں میں غیروں کی غلامی میں رہنے سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ آزاد قوموں کی طرح اپنی ملی اور سیاسی زندگی کو صحیح طور پر مرتب کرنے سے قاصر رہے بلکہ ان کی کئی کئی نسلیں اس غلامی میں مبتلا رہ کر احساس کمتری میں مبتلا ہوئیں۔ یہ احساس کمتری کسی بھی قوم میں اگر پیدا ہوجائے تو پھر وہ کوئی بڑا کام انجام نہیں دے سکتی، لیکن اب تقریباً نصف صدی سے اکثر مسلمان ممالک سامراجی طاقتوں کی براہ راست ماتحتی سے نکل آئے ہیں، اور ان کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنی قومی وملی زندگی کو اپنے صحیح مزاج ومقصد کے مطابق ڈالیں اور اپنے نئی نسلوں کو صالح اور باعزت قدروں کے مطابق تیارکریں، اس کیلئے ان کو ضرورت تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سکھائیں اور اپنے تعلمی نظام سے اپنی صالح قدروں کے مطابق ان کا کردار بنائیں۔ انکی صحیح دینی تربیت کریں اور وسائل زندگی کو تعمیری انداز میں اختیار کرنے کا سلیقہ سکھائیں وہ ان کی اس پریشانی نظروں کو دور کریں جس کا نگہ علامہ اقبال نے کیا تھا۔

دل توڑ گئی ان کا دوصدیوں کی غلامی
دارو توکوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

غیر ملکی سامراج کی براہ راست غلامی سے نکلنے کے بعد مسلمانوں کی ذہنی تربیت اولین کام تھا، اس کے لیے ہمارے دانشوروں کو آگے آکر قومی ضرورت کے تعلیمی وتربیتی نظام قائم کرنے کی فکر سب سے زیادہ کرنا چاہیئے تھا لیکن افسوس کہ اس کی طرف کم توجہ دی گئی، غلامی کے اثر سے مسلمانوں اور مشرقی قوموں میں اپنے بارے میں جو احساس کمتری سرایت کرگیا تھا اسکے دور کرنے کی بھی فکر کوئی خاص نہیں کی گئی۔ چنانچہ یہ قومیں مغربی قوموں کی ذہنی غلامی سے نہیں نکل سکیں، دوسری طرف خودسامراجی طاقتوں نے ان قوموں کو آزاد کرتے وقت ان کو ایسے نظام تعلیم پر ڈالا جس سے ان کی ذہنی غلامی کا تسلسل قائم رہے چنانچہ یہ قومیں مغربی قوموں کو جنہوں نے کئی صدی تک ان پر اپنے جبرواستبداد، تحقیر وتذلیل کے ساتھ غلام بنارکھا تھا..... اپنے سے برتر انسان کی حیثیت سے دیکھتی رہیں اور اپنی ملی اور قومی زندگی کو استوار کرنے میں وہی اندازومزاج اختیار کرتی رہیں

جو مغربی قوموں کے مزاج، مذہب اور انداز فکر کا تابع رہا اور جو انکی ذہنی غلامی کی علامت رہا۔

دوسری طرف مغربی قوموں نے اپنے سامراجی ذہنوں کو نہیں بدلا اور ان قوموں کو آزاد کردینے کے باوجود ان کو ذہنی اور اقتصادی غلامی میں رکھا، چنانچہ اس وقت ان مشرقی قوموں کو جس غلامی سے سابقہ ہے وہ جسمانی اور ظاہری لحاظ سے توقابل ذکر نہیں ہے لیکن ذہنی و عملی غلامی سے قریب تر ہے۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ذہن بکھرے ہوئے، خیالات الجھے ہوئے، ایک دوسرے سے کشمکش اور ٹکراؤ، اپنوں سے دشمنی، غیروں سے دوستی، اپنے اعلیٰ مقاصد سے بے پرواہی اور سطحی ورواجی مقاصد سے دلچسپی، اپنی اعلیٰ قدروں سے دست برداری اور اپنے سابق آقاؤں کی قدروں سے آشنائی عام نظر آتی ہے۔ اور یہ بات پڑھے لکھے طبقے میں زیادہ نظر آرہی ہے کہ ان کے دانشور لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں جن کو اپنے جاہ کی فکر، اپنی رائے اور سمجھ پر ناز ہوتا ہے اگر دولت ہے تو مغربی طرز پر اس کا بے جا صرف، اگر غربت ہے تو ملی عزت وعظمت کے بقا پر خوشحالی کی ترجیح، اگر جہالت ہے تو چرب زبان قائدین کے پیچھے دوڑنا اور تعلیم ہے تو خالص مغربی پیمانہ پر اس کی تربیت اور اس سے استفادہ نظر آتا ہے۔

اسلامی ممالک کے پورے پورے ملکوں سے گذرجائیے، ذہنی پراگندگی اور غیروں کی برتری کا احساس نظر آئے گا، دوسری طرف غیرقوموں کے لیے یہ حالات شکار کے بہترین حالات ہیں اور یہ غیر طاقتیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ فلسطین جس کے بارے میں عہد غلامی کے دوران کوئی عرب تصور بھی نہیں کرتا تھا کہ وہاں یہودی اقتدار ہوگا اور نہ اس واقعہ کے وجود میں آنے کے لیے راستہ دے سکتا تھا، آج خود عرب دانشور فلسطین میں یہودی اقتدار کو نہ صرف ایک حقیقت واقعہ سمجھ رہے ہیں بلکہ سیاسی اقتصادی ومعاشی ہر طرح کے تعاون وتبادلہ کے لیے تیار ہیں۔ مصر، شام، عراق جہاں اسلام کو عزت ومرتبہ حاصل تھا اب اس کی باعزت بقا کی کوشش کو ایک باغیانہ کردار سمجھا جارہا ہے، ایک طرف یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ اسلامی مقصد کے خاطر جلسے مشورے یا مظاہرے ناپسندیدہ قرار دے کر روکے جاتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ مخالف وبدخواہ جو صرف ربع صدی قبل دشمن ازلی تھا، یعنی اسرائیل اس کو باعزت طریقہ سے دور کرنے اور ثقافتی واقتصادی مشورے اور معاہدے کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ مسلم حکومتوں کا یہ حال ہے کہ ان کو اپنے زیرسرکردگی علاقوں میں سامراجی ملکوں کے مفادات کی ہوتی ہے حتیٰ کہ جن موقعوں پر سامراجی اور ملکی مفادات کا ٹکراؤ ہو وہاں بھی سامراجی مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے یہ وہ

حالات ہیں جن کا پتہ ان خبروں سے وقتاً فوقتاً چلتا رہتا ہے جو اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

عالم اسلام اس وقت مغربی سامراج کے قبضہ میں ایک دودھ دینے والی گائے کی طرح ہے جو اپنے بچے کو اتنا دودھ نہیں پلا سکتی اور اپنے بچے کے مفادات کی فکر ایسا نہیں کر سکتی جیسا اس کو اپنے مالک کو اپنا دودھ اور اپنی خدمات پیش کرنا پڑتا ہے۔ اس صورتحال کی اخلاقی ذمہ داری ہمارے دانشوروں پر آتی ہے جو حالات کو سمجھنے اور ملک وملت کی ضرورت کو جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود امت کے حالات کو بہتر بنانے اور علم وعمل کے میدان میں کامیابی کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پیدا کرنے، صحیح اسلامی عزت کے راستے پر ڈالنے کے بجائے مغربی سامراج کے مفادات سے مطابقت رکھنے والے طریقوں اور قدروں کے فریفتہ رہے اور امت کے تعلیم وثقافت کا نظام اسی کے لحاظ سے بناتے رہتے ہیں اور ان میں سے ایک تعداد اپنے ذاتی جاہ ومنصب، حال وعزت کو قومی اور اجتماعی عزت وعظمت پر ترجیح دیتی ہے۔

کسی بھی قوم کا کردار تصوارت کی تشکیل اس کی نئی نسل کی تعلیم وابلاغ کے ذرائع سے کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں مغربی حکومتوں نے اپنے اپنے ملکوں میں بھرپور انتظام کیا اور آغاز کار ہی سے اپنے مقصد وغنتی کو سامنے رکھا، وہ اپنی نسل کے ہر ہر فرد کو اپنی اختیار کردہ قدروں کے مطابق باعزت اور باصلاحیت انسان بنانے کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں لیکن ہمارا رویہ اس کے بالکل برعکس رہا، ہم تعلیم وابلاغ میں وہی طریقے اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں جو مغرب کی قدروں کے مطابق انسان بناتے ہیں نہ کہ ایسا انسان جو اپنی اسلامی شخصیت سے باخبر ہو اور اپنے شاندار وعظیم ماضی سے اپنی ذہنی وابستگی رکھتا ہو اور قوموں کی اصلاح ودرستگی وبہتری کے لیے کوشش کرنے کا عزم رکھتا ہو ایسی قوت عمل کا مالک بن سکے کہ اپنی انفرادی ضرورتوں اور مقاصد کے ساتھ ساتھ نئی ملی وقومی ضرورتوں اور مقاصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتے ہیں تاکہ اس کا ملک وقوم دنیا کی باصلاحیت وباعزت قوموں کے درمیان اپنا اونچا مقام بنا سکے۔

قارئین سے گذارش

خط و کتابت کے وقت اپنا خریداری/ اعزازی تبادلہ نمبر ضرور لکھیں۔ ورنہ ادارہ جواب دینے سے معذور ہو گا۔